غلبۂ اسلام کی بشارتیں اور عملی تقاضے

علامہ یوسف قرضاوی ○

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے کچھ اٹل قوانین مقرر فرمائے ہیں جن کو سنتِ الٰہی کہا جاتا ہے۔ یہ خدائی ضابطے جس طرح آدم علیہ السلام کی اگلی نسلوں میں نافذ تھے' ٹھیک اسی طرح اُن کے بعد کی نسلوں میں بھی جاری اور نافذ ہیں۔ اس سنتِ الٰہی کا معاملہ مسلمانوں اور کافروں کے ساتھ یکساں ہوتا ہے۔ یہ قوانین الٰہی کبھی اور کسی کے معاملے میں ذرا بھی تبدیل نہیں ہوتے۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ○ (فاطر ۳۵:۴۳) "تم اللہ کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے' اور تم اللہ کی سنت کو ٹلتی ہوئی ہرگز نہ دیکھو گے"۔

اگر ہم ماضی وحال میں سنتِ الٰہی کی کارفرمائیوں کا جائزہ لے کر دیکھیں تو مستقبل میں ہمیں غلبۂ اسلام کی متعدد بشارتیں ملتی ہیں۔ جب ہم دنیا میں رونما ہونے والے حوادث و واقعات اور حالات کی بدلتی ہوئی کروٹوں کا بنظرِ غائر مطالعہ کرتے ہیں تو واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اُمتِ مسلمہ اور داعیانِ اسلام کے حق میں فالِ نیک ہے' اور آخر کار ان سب کا فائدہ اسلام کو پہنچے گا۔ اس کائنات میں جاری سنتِ الٰہی کے ضابطوں میں سے بعض کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

تبدیلی اقوام کا الٰہی ضابطہ

اس کائنات میں کارفرما الٰہی قوانین میں سے ایک اہم قانون' اقوام وملل کے عروج وزوال کا ہے۔ اس سنتِ الٰہی کی توثیق اس آیت سے ہوتی ہے جس میں مسلمانوں کو غزوۂ اُحد کی عارضی شکست پر تسلی دی گئی ہے' اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اقوام وملل کے باب میں اپنی سنتِ ثابتہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

> اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ط وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ط (اٰل عمرٰن ۳:۱۴۰)

اگر تمھیں زخم لگا تو اس سے پہلے ایسا ہی زخم تمھارے فریق مخالف کو بھی لگ چکا ہے۔ یہ تو گردشِ زمانہ ہے جسے ہم لوگوں کے درمیان اُدل بدل کراتے رہتے ہیں اور ایسا اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ جان لینا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں اور اُن لوگوں کو چھانٹ کر الگ کر لینا چاہتا تھا جو واقعی حق کے گواہ ہوں۔

یہ روز کا مشاہدہ ہے کہ حالات بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں۔ پوری دنیا میں تغیر اور تبدیلی کا عمل انتہائی سرعت کے ساتھ جاری ہے۔ کتنی قومیں اور افراد ایسے ہیں جن کی عزت و سرفرازی کا کبھی ڈنکا بجتا تھا' آج وہ ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اس کے برعکس کتنی ہی پست و حقیر قوموں کے سر پر عزت و وقار کا تاج رکھا جا رہا ہے۔ کتنی ہی خوش حال زندگیاں تنگ حالی و بدحالی کا شکار ہو گئیں اور کتنے ہی تنگ حال و پریشان حال لوگ فارغ البالی و خوش حالی سے شادکام ہو رہے ہیں: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ (الشرح ۹۴:۵-۶) "پس یقیناً تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔ بلاشبہ تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے"۔ سَیَجْعَلُ اللّٰہُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا (الطلاق ۶۵:۷) "عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی پیدا کر دے گا"۔

جن لوگوں کی نظر اقوامِ عالم کی تاریخ پر ہے وہ جانتے ہیں کہ تہذیب و تمدن کی شمع یا اقتدار اور حکومت کی کنجیاں کبھی ایک قوم یا فرد کے ہاتھ میں ہمیشہ نہیں رہی ہیں بلکہ یہ ایک قوم سے دوسری قوم اور ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ہم مسلمانوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس وقت اقوامِ عالم کے درمیان تبدیلی کا یہ الٰہی ضابطہ ہمارے خلاف نہیں بلکہ ہمارے حق میں ہے' جیسا کہ امام حسن البناؒ کا قول ہے کہ: "اب گردشِ دوراں ہمارے موافق ہے' ہمارے مخالف نہیں ہے"۔

اقوامِ عالم کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے زمانۂ قدیم میں فرعونی' آشوری' بابلی' کلدانی' فینیقی' ایرانی' ہندستانی اور چینی تہذیبوں کے غلبے و تسلط کے باعث دنیا کی قیادت و سیادت مشرقی اقوام کے ہاتھوں میں تھی۔ پھر جب یونانی تہذیب اپنے ایک خاص فکر و فلسفے کے ساتھ دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئی اور ساتھ ہی رومی تہذیب ایک مخصوص نظامِ حکمرانی کے ساتھ دنیا میں جلوہ گر ہوئی تو ساری دنیا میں اِن دونوں تہذیبوں کے غالب آ جانے کے نتیجے میں مغربی اقوام' دنیا کی قیادت کے منصب پر فائز ہو گئیں' اور ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ طلوعِ اسلام کے نتیجے میں پوری دنیا میں اسلام اور عربی تہذیب و ثقافت کا بول بالا ہو گیا۔ اس طرح عالمی قیادت ایک بار پھر مشرق کے حصے میں آ گئی۔ اسلامی تہذیب دوسری تہذیبوں کے مقابلے میں اس لحاظ سے ممتاز و منفرد ہے کہ اس کے اندر سائنس' ایمان و عقیدہ' مادی ترقی اور روحانی بلندی' الغرض سب کے لیے گنجایش پائی جاتی ہے۔ لیکن جب عالمِ مشرق پر مجرمانہ خوابیدگی طاری ہوئی اور وہ اپنے اصل مشن سے غافل ہو گیا تو انجام کار مغرب نے زمامِ اقتدار چھین لی' اور اس طرح مغربی اقوام کا عالمی قیادت پر دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ لیکن مغرب اس امانتِ عظمیٰ کا حق ادا نہ کر سکا اور بُری طرح روحانی و اخلاقی انحطاط کا شکار ہو گیا جس کا لازمی انجام یہ ہوا کہ مغرب نے دنیا میں "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" کا قانون چلا دیا۔ چنانچہ اعلیٰ اخلاقی قدریں ذاتی مفادات کے مقابلے میں دب کر رہ گئیں اور مادیت' روحانیت پر غالب آ گئی' اور انسان کی حیثیت اور قدر و قیمت حیوانات و جمادات کے مقابلے میں کم تر ہو گئی۔ انسانی مسائل کے حل کے سلسلے میں دہرا معیار رائج ہو گیا۔ قوموں کی زندگی میں یہی وہ فیصلہ کن موڑ ہوتا ہے جب سنتِ الٰہی کے مطابق دنیا کی قیادت اور سربراہی نااہل لوگوں سے چھین کر کسی اور کے حوالے کر دی جاتی ہے۔

تاریخی شواہد سے اس بات کا واضح اشارہ مل رہا ہے کہ تہذیب و تمدن کی شمع پھر مشرق کے ہاتھوں میں آنے والی ہے۔ کیوں کہ مشرقی دنیا کے پاس اسلام کا ایک ایسا زندہ پیغام ہے جو مغرب کے پیغام سے بالکل مختلف اور منفرد ہے۔ مغرب نے اپنی بے خدا تہذیب کے ذریعے سے دنیائے انسانیت کو روحانی کرب اور اخلاقی بے راہ روی کی جس دلدل میں پھنسا دیا ہے' صرف اسلام کا طاقت ور اور روحانی پیغام ہی اُسے اس دلدل سے نکال سکتا ہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ مشرقی دنیا کے لوگوں کو اپنی اس حیثیت کا صحیح ادراک ہو اور وہ دنیا کی امامت و قیادت کے منصب پر فائز ہونے کے لیے پوری تیاری کریں اور اپنے اندر اس بارگراں کو اٹھانے کی اہلیت پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف ۷:۱۲۹) ''قریب ہے وہ وقت کہ تمھارا رب تمھارے دشمن کو ہلاک کردے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنائے' پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو''۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (الانبیاء ۲۱:۱۰۵) ''اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے''۔

اِن آیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر عالمی قیادت کا پہیہ مغرب سے گھوم کر مشرق کی طرف آ جائے تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہ ہوگی' حالانکہ مغرب کو اس وقت دنیا کے سارے علوم وفنون میں مہارت اور ہر قسم کا غلبہ واقتدار حاصل ہے' جب کہ مشرق بالکل پس ماندہ اور درماندہ ہے۔

امر واقع یہ ہے کہ اس وقت مغرب کی فکری وعملی زندگی پر مادیت بُری طرح چھائی ہوئی ہے اور مغربی معاشرہ اخلاقی بگاڑ اور بے راہ روی میں سر سے پاؤں تک ڈوبا ہوا ہے۔ اور سنت الٰہی یہ ہے کہ دنیا کی کوئی بھی تہذیب' اخلاقی قدروں کو پامال کر کے دیر تک باقی نہیں رہ سکتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اخلاقی قدروں پر جب تک ایمان وعقیدہ سایہ فگن نہ ہو' اس وقت تک نہ اُن کی نشوونما ہو سکتی ہے اور نہ وہ انسانی معاشرے میں ہی کوئی مؤثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔

یہ چند برس قبل ہی کی بات ہے کہ دنیا کی دوسری بڑی طاقت (سوویت یونین) بغیر کسی قابلِ ذکر علامت کے زوال کا شکار ہوگئی' جب کہ اُس کے پاس ایٹمی اور بے پناہ اسٹرے ٹیجک ہتھیار تھے اور اُسے ہوش ربا فوجی واقتصادی قوت حاصل تھی۔ ان سب ظاہری قوتوں کے باوجود چونکہ اُس کے باطن میں اس کی تباہی کا سامان پیدا ہو چکا تھا اور اس کی مادی تباہی سے قبل اُس کی روحانیت پامال ہو چکی تھی' اس لیے دنیا کی یہ دوسری بڑی طاقت سنتِ الٰہی کے اٹل قانون کے زد میں آ گئی اور وہ اپنے آپ کو زوال سے نہ بچا سکی۔

تبدیلی احوال کے لیے سنتِ الٰہی

اس کائنات میں کارفرما الٰہی سنتوں میں سے جن کو اس وقت ہم مسلمانوں کے حق میں پا رہے ہیں اور اُنھیں ہم غلبۂ اسلام کی بشارتوں میں شمار کرتے ہیں' اُن میں سے ایک' قوموں اور افراد کے حالات کی تبدیلی کا الٰہی ضابطہ بھی ہے۔ قرآن کریم نے متعدد آیات میں اس سنتِ الٰہی کو بیان کیا ہے۔ جب لوگ خیر کو چھوڑ کر شر اختیار کر لیتے ہیں' بناؤ کے بجاے بگاڑ کے کام کرنے لگتے ہیں' اور ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو ترجیح دینے لگتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ اپنے ضابطے اور سنت کے مطابق اُن کی خوش حالی کو بدحالی سے' طاقت کو ضعف سے' عزت کو ذلت سے اور ان پر جاری اپنی نوازشوں کو اپنے غضب اور عذاب سے بدل دیتے ہیں۔ قرآن میں آلِ فرعون اور اُن سے پہلے لوگوں کا انجام بیان کرنے کے بعد اسی سنت الٰہی کا ذکر کیا گیا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَابِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ (الانفال ۸:۵۳-۵۴) یہ اللہ کی اِس سنت کے مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جو اُس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرزِ عمل کو نہیں بدل دیتی۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ آلِ فرعون اور اُن سے پہلے کی قوموں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ اِسی ضابطے کے مطابق تھا۔ اُنھوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تب ہم نے اُن کے گناہوں کی پاداش میں انھیں ہلاک کیا اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ یہ سب ظالم لوگ تھے۔

اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اس سنتِ الٰہی کا نفاذ مغربی تہذیب کے علم برداروں پر ہو، جنھیں اللہ تعالیٰ نے اِس سرزمین پر قوت و اقتدار بخشا، اس کی ساری قوتوں کو اُن کے لیے مسخر کر دیا، اُن پر سارے علوم و فنون کے دروازے کھول دیے اور اُنھیں رزق کی فراوانی سے ہم کنار کیا، لیکن اہلِ مغرب نے اللہ کی نعمتوں کو پا کر زمین میں سرکشی کی اور اُسے بگاڑ اور فساد سے بھر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی قیادت و سربراہی کی جو امانت اُن کے حوالے کی تھی، اُنھوں نے اُس کا حق ادا کرنے کے بجائے اس میں خیانت کی۔ مختصراً یہ کہ وہ اس کے سزاوار ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے معاملے میں اپنی سنت کو بروے کار لائے اور دنیا کی قیادت کا منصب اُن سے چھین کر دوسروں کے حوالے کر دے۔

اس سنتِ الٰہی کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جس کے بغیر یہ سنت مکمل نہیں ہوتی۔ اس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب لوگ اپنے اندر یا اپنے طرزِ عمل میں مثبت تبدیلی لانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ جب اُن کی اِس تبدیلی کا رجحان شر سے خیر، گمراہی سے ہدایت، انحراف سے استقامت، بگاڑ سے بناؤ، کسل مندی سے عمل اور رذائلِ اخلاق سے اعلیٰ اخلاق کی طرف ہو جاتا ہے تو وہ اس ضابطۂ الٰہی کی رو سے اس بات کے مستحق ٹھیرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی بدحالی کو خوش حالی، اُن کی کمزوری کو طاقت و قوت، ذلت کو عزت، ہزیمت کو فتح و نصرت اور حالتِ خوف کو حالتِ امن سے بدل دے۔ جس طرح وہ اپنی بداعمالیوں کے سبب سے اس دنیا میں دوسروں کی نگاہ میں بے حیثیت اور بےوزن ہو گئے تھے، اب اُنھیں اسی دنیا میں اقتدار و تمکنت عطا کرے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَابِاَنْفُسِهِمْ ؕ (الرعد ۱۳:۱۱) ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی''۔

سنتِ الٰہی کا یہی وہ پہلو ہے جس سے ہم مسلمانوں کے دلوں میں یہ اُمید جاگزیں ہوتی ہے کہ ہماری حالت بھی ایک دن لازماً بدلے گی اور اس میں بہتری آئے گی۔ ہم سب کا مشاہدہ ہے کہ جب سے احیاے اسلام کا عمل شروع ہوا ہے بیشتر مسلمانوں کی زندگیوں میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ وہ اپنی روزمرہ زندگی اسلام کے مطابق گزارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسلامی احکام سے ناواقفیت پر قانع ہونے کے بجاے اُن کے اندر اسلامی افکار سے واقف ہونے کا رجحان بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ جو لوگ اسلامی تعلیم سے دانستہ یا نادانستہ فرار کی زندگی گزار رہے تھے، اب وہ اسلامی ہدایات کی پابندی میں ذہنی و قلبی اطمینان پاتے ہیں۔ جو کبھی اپنے آپ میں مگن تھے اور اُمت کے مسائل و معاملات سے اُنھیں کوئی دل چسپی نہیں ہوتی تھی، وہ اُس کے مسائل کو حل کرنے کی مخلصانہ اور مثبت کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ نوجوان جو دنیوی لذتوں اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے دیوانہ وار دوڑ رہے تھے، اب وہ احیاے اسلام کے عمل میں لگ گئے ہیں، اور اُنھوں نے دینِ اسلام اور اُس کے مقدسات کے دفاع کے لیے جہاد کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔

اسی طرح عورتوں میں پردے کا اہتمام بڑھ رہا ہے اور مسجدیں جو کبھی نمازیوں سے خالی ہوتی تھیں' اب وہ نمازوں کے علاوہ دینی تعلیمات کے پروگراموں کے سبب بھری نظر آتی ہیں۔

یہی وہ اعمال و آثار ہیں جنھیں دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اُمت مسلمہ کے اندر مجموعی طور پر بڑی حد تک تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔اس لیے اب اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس کی سنت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اُمت مسلمہ کو یوں ہی بے یارومددگار نہ چھوڑ دے' بلکہ اُس کی اِس گہری نفسیاتی اور عملی تبدیلی پر اُسے اپنے بھرپور صلے سے نوازے' اور اُس کی بدحالی و زبوں حالی کو خوش حالی و سرفرازی سے بدل دے' اور اُس کے جملہ حالات کو سنوار دے۔

آج یہ ضروری ہے کہ شعاعِ اُمید سے ہر مسلمان کا سینہ روشن ہو' اُس کی روشنی اس کے دل میں بھی پہنچ گئی ہو' یاس و قنوطیت کے بادل چھٹ گئے ہوں' دلوں میں یہ شعور و احساس جاگزیں ہو کہ نصرتِ الٰہی ہر آن اُس کے مومن بندوں سے قریب ہو رہی ہے۔ ہر چند کہ مسلمانوں کے گرد سازشوں کا جال بُنا جا رہا ہے' اور اسلام پر کبھی انتہاپسندی' کبھی دہشت گردی اور اکثر و بیشتر بنیاد پرستی کے نام سے رکیک حملے کیے جا رہے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ اس وقت احیاے اسلام کی تحریک پر سخت دباؤ ہے اور اسے کچلنے کے لیے ہر طرح کے وحشیانہ حربے آزمائے جا رہے ہیں۔ اُمت مسلمہ کو نیست و نابود کرنے کے لیے ہر طرف علانیہ اقدامات اور خفیہ سازشیں ہو رہی ہیں۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کی غفلت اور ان پر مسلط حکمرانوں کے تعاون سے ہو رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اُمت مسلمہ کے روشن مستقبل اور اسلامی بیداری اور دعوت اسلامی کی کامیابی کے امکانات کم نہیں۔

اگر اُنیسویں صدی سرمایہ داری کی صدی تھی اور بیسویں صدی اشتراکیت کی صدی تھی' تو اکیسویں صدی اسلام کی صدی ہوگی۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر انیسویں صدی مسیحیت کی صدی تھی اور بیسویں صدی یہودیت کی صدی تھی کہ اسی بیسویں صدی میں یہودیت کو ۲۰ سے زائد عرب ملکوں اور ۴۰ سے زیادہ اسلامی ملکوں پر غلبہ حاصل ہوا' لیکن اکیسویں صدی اسلام کی صدی ہوگی۔

ہم جب بحیثیت دین و مذہب کے یہودیت و مسیحیت کے مقابلے میں اسلام پر نگاہ ڈالتے ہیں' یا بحیثیت ایک نظامِ حیات کے سرمایہ داری اور اشتراکیت کے مقابلے میں اسلام کا جائزہ لیتے ہیں' تو اسلام ہر دو پہلو سے ممتاز اور نمایاں نظر آتا ہے۔ اسلام اپنے آپ میں ایک ایسا منفرد و یکتا مذہب ہے' جس کے مزاج میں زندہ اور باقی رہنے کی صلاحیت موجود ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسلام کے اندر اپنی ملت کو زندہ رکھنے اور اپنی دعوت کو پھیلانے کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے۔ مزید برآں یہ کہ آج دنیا کو اسلام کی سخت ضرورت بھی ہے' کیوں کہ آج پوری دنیا میں عدم توازن کے باعث ہر سطح پر فساد اور بگاڑ پھیلا ہوا ہے۔ دنیاے انسانیت کو اس بگاڑ اور فساد سے نجات کے لیے ایک متوازن اور صالح نظام کی ضرورت ہے اور وہ صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے۔

اس حقیقت کا اعتراف کہ آنے والی صدی ان شاء اللہ اسلام کی صدی ہوگی' ڈاکٹر مراد ہاف مین نے اپنی مشہور کتاب اسلام بیسویں صدی میں بڑے پُراعتماد لہجے میں کیا ہے کہ اب اسلام کے سامنے اس کے پورے مواقع ہیں کہ وہ اکیسویں صدی میں اوّلین حیثیت کا مذہب بن کر اُبھرے۔

امریکی کانگریس میں خارجہ امور کمیٹی کے ایک ممتاز رکن جیمس میران نے بھی یہی بات کہی ہے۔ انھوں نے امریکیوں کو اس بات کی دعوت دی ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں صحیح واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کریں، کیوں کہ اسلام امن وسلامتی اور رواداری کا دین ہے۔ یہ وہ مذہب ہے جو لوگوں کو محنت اور مشقت اور جدوجہد پر اُبھارتا ہے اور نظم وضبط کو پسند کرتا ہے۔ اس کے چشمۂ صافی سے محبت و ہمدردی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ وہ نہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تاریخ کا ایک عظیم ترین انسان تصور کرتا ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر صحابہ کرامؓ میں سے بیشتر کی زندگیوں سے بھی واقفیت حاصل کرنے پر زور دیتا ہے۔ اُس کے خیال میں دنیا کی ساری اقوام کے لیے ضروری ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات سے بخوبی واقف ہوں۔ لیکن افسوس کہ دو سبب سے ایسا نہ ہو سکا:

۱- پہلا سبب یہ ہے کہ غیر مسلموں نے اُن تعلیمات کے سلسلے میں تعصب و تنگ نظری اور جانب داری اور جہالت کا رویہ اختیار کیا۔

۲- دوسرا اہم اور بڑا سبب یہ ہے کہ خود مسلمانوں نے بھی دین اسلام سے اغیار کو کما حقہ روشناس کرانے کی کوشش نہیں کی۔

جیمس میران نے المجتمع سے انٹرویو ان الفاظ پر ختم کیا: ''میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ اکیسویں صدی اسلام کی صدی ہوگی، اور اس صدی میں اسلامی تہذیب و ثقافت کو دنیا بھر میں فروغ حاصل ہوگا اور یہی وہ وقت ہوگا جب دنیا کے چپے چپے کو اسلام کے زیرسایہ امن وسلامتی اور خوشحالی و فارغ البالی سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملے گا۔ (۵ مارچ ۱۹۹۶ء)

فلسفۂ عمرانیات کا نقطۂ نظر

سب ماہرین عمرانیات اِس بات کے قائل ہیں کہ آج جو چیزیں حقیقت بن کر ہمارے سامنے آ گئی ہیں، ماضی میں ان کی حیثیت محض خواب وخیال کی تھی اور آج ہم جس چیز کو خواب اور ناممکن سمجھ رہے ہیں وہ بھی مستقبل میں حقائق کا روپ دھار لے گی۔ یہ ایک ایسا نقطۂ نظر ہے جس کی تائید پیش آمدہ واقعات سے بھی ہوتی ہے اور منطقی دلائل و براہین بھی اس کے حق میں ہیں، بلکہ یہی وہ محور ہے جس کی بنیاد پر انسانیت درجہ بدرجہ منزلِ کمال کو پہنچتی ہے۔ آج ہمارے سامنے جو ایجادات و انکشافات ہو رہے ہیں، اِن کے وجود میں آنے سے چند سال پہلے تک کون یقین کرسکتا تھا کہ سائنس دان یہاں تک پہنچ جائیں گے، بلکہ خود اساطینِ علم وفن بھی اپنے ابتدائی دور میں اُنھیں اَن ہونی خیال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ حقائق نے انھیں ثابت کر دکھایا اور دلائل نے اُن کی تائید کر دی۔ اس کی مثالیں بے شمار ہیں اور وہ اتنی واضح ہیں کہ اُن کے تذکرے کی چنداں ضرورت نہیں۔

تاریخ کا نقطۂ نظر

تاریخ کے اوراق بھی اس بات پر شاہد ہیں کہ جتنی قومیں تعمیر وترقی کے بام عروج پر پہنچی ہیں، سب نے ابتداً انتہائی ضعف کی حالت میں قدم آگے بڑھایا اور بظاہر ان کا اپنے منتہائے مقصود کو پالینا ایک امر محال تھا۔ مگر صبر وثبات اور حکمت اور پیہم جدوجہد نے معمولی حیثیت اور قلیل وسائل کی حامل ان قوموں کو عظمت و سربلندی کی انتہا پر پہنچا دیا۔

اگر جزیرۃ العرب کا جائزہ لیا جائے تو کیا کوئی یہ یقین کر سکتا تھا کہ اِس خشک اور بے آب وگیاہ سرزمین سے ایک دن نورِ عرفان کے سوتے پھوٹیں گے' اور اِسے دنیا کے ایک بڑے حصے پر روحانی و سیاسی غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ کون یہ گمان کر سکتا تھا کہ صلاح الدین ایوبی عرصہ دراز تک صلیبی یلغار کے سامنے ایک مردِ آہن بن کر کھڑا رہے گا۔ اس نے سلاطین یورپ کو اُن کی کثرتِ تعداد اور فوجی کروفر کے باوجود پسپائی پر مجبور کر دیا حالانکہ ۲۵ بڑے ملکوں کے سربراہان اُس کے خلاف صف آرا تھے۔

کامیابی کا واحد راستہ: جدوجہد

راستہ خواہ کتنا ہی طویل ہو اور خواہ کتنے ہی مسائل کا سامنا ہو مگر قوموں اور ملکوں کی تعمیر و ترقی کا واحد راستہ جدوجہد ہی ہے اور تجربے نے بھی اس نقطۂ نظر کو درست ثابت کیا ہے۔

دعوت الی اللہ کا کام کرنے والوں کے سامنے یہ تصور ہمیشہ واضح رہنا چاہیے کہ یہ کام کر کے دراصل وہ اسلام کے تئیں اپنی ذمہ داری کو ادا کر رہے ہیں۔ پھر دوسرے درجے میں اِس عمل کے ذریعے سے اجرِ آخرت کا حصول اُن کا مطمحِ نظر ہونا چاہیے۔ ان دعوتی سرگرمیوں کے ذریعے سے حاصل ہونے والے دنیوی فوائد کو تیسرے اور آخری درجے میں رکھنا اس جدوجہد کا تقاضا ہے۔

اگر اِس نقطۂ نظر سے دعوتِ الی اللہ کا کام کیا جائے تو گویا ذمہ داری ادا کر دی گئی۔ اور اگر اخلاص و للّٰہیت اور بے نفسی کی مطلوبہ شرائط کے ساتھ اس کارِ عظیم کو انجام دیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ کے یہاں اِس کام کے اجر و انعام اور اس کارِ دعوت کے ممکنہ دنیوی فوائد بھی حاصل ہوں گے۔ لیکن کون سا فائدہ کب اور کس شکل میں ظاہر ہوگا' اس کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بسا اوقات کسی مرحلے میں اِس دعوتی جدوجہد کے ایسے عظیم اور بابرکت ثمرات ظاہر ہو سکتے ہیں جن کا پیشگی اندازہ نہیں ہو سکتا۔

اگر اپنی دعوتی ذمہ داریوں سے غفلت برتی جائے تو گناہ کے مرتکب قرار پائیں گے اور دعوتی جدوجہد کے اُخروی انعام کو بھی نہ پا سکیں گے اور اس کے دنیوی فائدوں سے بھی یقیناً محروم رہ جائیں گے۔ اب یہاں فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اِن دونوں میں کون سا طرزِ عمل حسنِ انجام کا مستحق ہے۔ قرآن کریم نے اسی بات کو بڑے عمدہ اور واضح انداز میں پیش کیا ہے: ''جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے' تو انھوں نے جواب دیا کہ ''ہم یہ سب کچھ تمھارے رب کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں اور اس امید پر کرتے ہیں کہ شاید یہ لوگ نافرمانی سے پرہیز کرنے لگیں۔ آخر کار جب وہ ان ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر گئے جو انھیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے اور باقی سب ظالموں کو ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں ہم نے سخت عذاب میں پکڑ لیا''۔ (الاعراف ۷:۱۶۴-۱۶۵)

عملی تقاضے

اسلام کے غلبے سے متعلق جن بشارتوں کو پیش کیا گیا ہے' ہم اُن ہی پر تکیہ کر کے بے فکری سے سو نہ جائیں۔ ہمارے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم ان بشارتوں کو جاننے کے بعد آرام طلبی اور کسل مندی کو اپنا شیوہ بنائیں اور کسی طرح کی جدوجہد اور مجاہدانہ کوشش کے بغیر اِس کا انتظار کریں کہ ہمارے اوپر نصرتِ الٰہی کا نزول ہوگا۔ یہ بشارتیں تو ہم سے اپنی زندگی میں ہر پہلو سے انقلابی جدوجہد اور عملِ پیہم کا مطالبہ کرتی ہیں۔

- اپنے تہذیبی ورثے سے ہمیں بھرپور فائدہ اٹھانا اور اُسے اپنے لیے رہنما بنانا چاہیے لیکن اسے رسم و روایات کی ایسی زنجیر نہیں بننے دینا ہے جو ہمارے قدموں کو شل کر دے اور ہماری پیش رفت کے لیے سدِ راہ بن کر رہ جائے۔

- حکمت و دانائی کی باتیں جہاں کہیں سے بھی حاصل ہوں اُن کو بے تکلف لے لیں اور اس کی فکر ہرگز نہ کریں کہ ان کا مصدر و منبع کیا ہے۔ ہم اپنے آپ کو کسی ایک اسلامی مکتب فکر کا پابند نہ بنائیں اور نہ کسی مسلک کی اس طرح پیروی کرنے لگیں کہ اُس سے نکلنا ناممکن ہو جائے' بلکہ ہم متفق علیہ قواعد و ضوابط کی روشنی میں سارے ہی مکاتب فکر اور مسالک و مذاہب سے استفادہ کریں۔ اس سلسلے میں ہمیشہ متشبہات کے بجائے محکمات' ظنیات کے بجائے قطعیات' جزئیات کے بجائے کلیات اور فروع کے بجائے اصول کو اساس قرار دیں۔
- ہمیں مغربی افکار و نظریات اور اہل مغرب کے تجربات سے بھی نفع بخش چیزیں اخذ کر کے اُنھیں اپنے معیار' ضروریات اور حالات کے پیش نظر اس طرح ڈھالنا چاہیے کہ وہ ہمارے ماحول سے بالکل ہم آہنگ ہو جائیں اور ہمارے نظام حیات کا جزو بن جائیں۔ ایسا کرنے میں ہمارے لیے کوئی حرج بھی نہیں ہے' کیوں کہ حکمت مومن کی متاع گمشدہ ہے' جہاں کہیں بھی وہ اُسے پاتا ہے لوگوں میں سب سے زیادہ اس کا حق دار وہی ہوتا ہے۔
- اب ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ ہم پس ماندگی کی قید سے آزاد ہو کر تمدن و ترقی کی وسعتوں میں قدم رکھیں اور معاشی' انسانی' مادی و روحانی' ہر سطح پر حقیقی معنوں میں ترقی کریں۔ اپنی اُن تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو انسان اور زندگی کی ہمہ جہت ترقی کے لیے وقف کر دیں' جن کا بڑا حصہ اب تک ہم ضائع کرتے رہے ہیں یا کم از کم معطل تو اُن کو کر ہی رکھا ہے۔ ان قوتوں کو مجتمع کرنے اور انھیں تقویت پہنچانے کے لیے ہمیں خود اسلام کو ایک بڑے محرک کی حیثیت سے اختیار کرنا ہوگا اور صحیح معنوں میں اِن طاقتوں کو اور صلاحیتوں کو بروے کار لانے کے لیے عام جدوجہد کے مقابلے میں اُس کی دس گنا قوت کا استعمال ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے میدانِ جہاد کے ضمن میں اِس امر کی طرف اشارہ کیا ہے یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ط اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ج وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ o (الانفال ۸:۶۵) "اے نبی' مومنوں کو جنگ پر اُبھارو' اگر تم میں سے ۲۰ شخص ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ ۲۰۰ پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں سے ۱۰۰ آدمی ہوں تو وہ ۱۰۰۰ کافروں پر غالب ہوں گے' کیوں کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ہیں"۔

قرآن کریم نے اس بات کو نہایت واضح انداز میں بیان کیا ہے کہ نصرتِ الٰہی کا ظہور ہمیشہ مومن گروہ کے ذریعے سے ہوتا ہے اور اسی کے ذریعے سے اُس کا اِتمام بھی ہوتا ہے اور یہ چیز صرف مومنین کے لیے مخصوص ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مخاطب کر کے فرمایا ہے ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ o (الانفال ۸:۶۲) "وہی وہ ذات ہے جس نے اپنی مدد اور مومنوں کے ذریعے سے تمھاری تائید فرمائی"۔

ہمیں اس بات کی توقع ہرگز نہیں رکھنی چاہیے کہ غزوۂ بدر' غزوۂ احزاب اور غزوۂ حنین میں جو فرشتے آسمان سے اُترے تھے' وہ آج ایسے لوگوں پر بھی اتریں گے جن کے قلوب ایمانی حرارت سے خالی ہیں اور جن کی زندگیاں اسلامی اخلاق اور مومنانہ اعمال سے بالکل بے بہرہ ہیں۔

کسی پیغام یا دعوت کی کامیابی کا انحصار محض اس کی ذاتی خوبیوں پر نہیں ہوا کرتا' بلکہ بڑی حد تک اُس کی کامیابی کا انحصار پیروؤں اور متبعین کے عمل اور کردار پر ہوتا ہے۔ اسی طرح حق کی سربلندی تنہا حق کے سبب نہیں ہوتی ہے بلکہ سنتِ الٰہی یہ ہے کہ داعیانِ حق کی ایک ایسی جماعت اُسے بلندیوں پر پہنچاتی ہے جو علم و عمل اور اخلاص کے جوہر سے آراستہ ہوتی ہے۔

- وہ قوم کبھی اپنے دشمنوں پر غالب نہیں آسکتی ہے جو خود اپنے شریف عناصر سے برسرِ پیکار ہو اور اپنے ہی سپوتوں کو نکیل ڈالنے کے لیے کوشاں ہو۔ یہاں میری مراد اسلامی عناصر سے ہے۔ یہ عزم و ارادے کے پکے اور پاکیزہ اخلاق کے حامل ہیں۔ یہ قومی اور اجتماعی مقاصد کے لیے دوسرے گروہوں کے مقابلے میں سب سے بڑھ کر مالی و جانی قربانیاں دینے والے لوگ ہیں۔ بحیثیت اُمت اس صالح عنصر کو پذیرائی ملنی چاہیے۔
- ایک ایسی قوم کا اپنے دشمنوں پر غلبہ پانا امرِ محال ہے جس کی دل چسپیوں کا بڑا حصہ کھیل تماشوں کی نذر ہو جاتا ہو اور جس کے اخبارات کا بڑا اور اہم حصہ اور جس کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا طویل اور اہم ترین وقت ناچ گانے اور بیہودہ ڈراموں کے لیے مختص ہو۔ جس قوم کا سماجی اور اجتماعی مزاج اتنا فاسد ہو گیا ہو کہ اس کے درمیان علما اور مفکرین اور قیادت و رہنمائی کی صلاحیت رکھنے والوں کے بجائے فلمی اداکاروں کو عزت و توقیر سے نوازا جا رہا ہو تو بھلا ایسی قوم اپنے دشمن کو کیسے زیر کر سکتی ہے۔
- مقتدر اشخاص کی جو ملت اسلامیہ کی قیادت کے منصب پر فائز ہیں اور جن کا اُمت کے معاملات و مسائل میں ایک موثر کردار ہے ذمہ داری ہے کہ وہ باہمی تعاون سے ملت کو ہر میدان میں اوپر اٹھانے اور ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے کے لیے سعی و جہد کریں۔ ان سب کاموں کی تکمیل کے لیے ایک مستحکم منصوبہ بندی اور مستقبل پر گہری نظر کی ضرورت ہے۔
- خود ملت اسلامیہ کے لیے بھی ناگزیر ہے کہ وہ اپنے دیرینہ امراض کا نہایت سنجیدگی سے جائزہ لے اور دقتِ نظری کے ساتھ اسباب و علل کا تجزیہ کرے۔ پھر اس یقین کے ساتھ کہ اللہ نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے ان کے علاج کی فکر کرے۔ ہم جانتے ہیں کہ کامیاب علاج کے لیے مرض کی تشخیص اور مناسب دوا کا استعمال دونوں ضروری ہیں۔
- اُمت مسلمہ کو معاشی منصوبہ بندی اور قوم کو اسراف سے بچانے کے لیے رہنمائی کی بھی ضرورت ہے۔ اس کی بھی ضرورت ہے کہ دولت و ثروت کی عادلانہ تقسیم کی طرف توجہ دی جائے' کیوں کہ اس کے بغیر سرمائے کی گردش صحیح طریق پر ممکن نہیں۔
- ملت اسلامیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سماجی اور اجتماعی پہلو پر بھی توجہ دے۔ افراد کے درمیان جذبۂ اخوت و محبت کو پروان چڑھائے اور سماج کے مختلف طبقات کے مابین تعاون کی اور مختلف قوموں کے درمیان اتحاد و یک جہتی کی فضا قائم کرے۔ اغنیا اور فقرا کے درمیان فاصلہ کم کر کے ان میں قربت پیدا کرنے کی کوشش کرے تاکہ باہمی میل جول عام ہو سکے۔ اسی طرح عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کے حقوق کا خیال رکھے اور خاندانی نظام کو ایسی ٹھوس بنیادوں پر قائم کرے کہ امن و سکون قائم ہو اور محبت و رحمت ہمیشہ اس پر سایہ فگن رہے۔
- ضرورت ہے کہ ملت اسلامیہ عقلی اور ثقافتی پہلو پر بھی توجہ دے۔ اُمت مسلمہ کو چاہیے کہ جتنی جلد ممکن ہو تعلیم و تربیت اور ثقافت و ذرائع ابلاغ کے میدان میں جس فکری یلغار سے سابقہ ہے' اس سے اور ثقافتی و تمدنی استعمار کے نقوش و اثرات سے آزادی حاصل کرے۔ کیوں کہ ان ہی اسباب کے ذریعے سے انسانی ذہن کی تربیت ہوتی ہے اور عام لوگوں کے نفسیاتی اور فکری رجحانات درحقیقت ان ہی کے ذریعے سے نشوونما پاتے ہیں۔

○ سیاسی پہلو سے بھی اُمت مسلمہ کو بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ سیاسی محاذ پر سب سے پہلے استبداد اور سرکشی پر مبنی نظام کا مقابلہ کر کے اس کا خاتمہ کرنا ہوگا اور پھر اس کی جگہ شورائی نظام کی بنیادوں کو مستحکم کرنا ہوگا۔ انسانی حقوق کے لیے ایک واضح پالیسی مرتب کرنی ہوگی اور لوگوں کی تربیت کا ایک ایسا جامع نظام وضع کرنا ہوگا جس میں اصلاً باہمی نصیحت و خیر خواہی اور فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی روح کارفرما ہو۔ جو شخص کسی برائی کو بزورِ قوت دُور کر سکتا ہو تو وہ اُس کو دُور کرے۔ اور اگر کوئی صرف زبان سے اُس پر اظہارِ نکیر کر سکتا ہے تو اُسی حد تک وہ اپنے فرض کو انجام دے۔ یاد رکھیے کہ برائی کو دل سے برا جاننا عجز و بے بسی کی علامت ہے اور یہ طرزِ عمل خدا کے ہاں نامقبول ہے۔

○ ضرورت ہے کہ ایسا واضح دستور وضع کیا جائے جس میں حقوق و فرائض تفصیل سے بیان کیے گئے ہوں' اور ہر ایک کی ذمہ داریوں کا ٹھیک ٹھیک تعین ہو' اور ہر ذمہ دار (authority) کی حدود واضح ہوں تاکہ ادارہ جاتی حکومت کا قیام عمل میں آ سکے۔ اس دستور میں ہر انسان کے لیے یکساں طور پر عزت و احترام' آزادی اور ذمہ دارانہ منصب کے حصول کے جواز کی ضمانت دی گئی ہو۔ دستور کی رو سے اگر کسی کو کوئی امتیازی حیثیت حاصل ہو تو وہ محض تقویٰ اور خوفِ الٰہی کی بنیاد پر حاصل ہو۔

بلاشبہ غلبۂ اسلام کی بشارتوں کے ذریعے سے ہمارے اندر ایک نئی قوت اور نیا عزم و حوصلہ پیدا ہونا چاہیے تاکہ ہم اُمت کی ضرورتوں کے مطابق ہر سطح پر مزید جدوجہد اور سرگرم عمل ہونے کا مظاہرہ کر سکیں۔ اُمت مسلمہ کو ہرگز اس کی توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ اُس کی موجودہ بدحالی و بداعمالی کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نصرت سے نوازے گا' بلکہ نصرتِ الٰہی کے حصول کے لیے اُمت کو اپنی موجودہ حالت بدلنی ہوگی تاکہ اللہ تعالیٰ بھی اُس کی ذلت و رسوائی اور نکبت کو عزت و سرفرازی اور نصرت سے بدل دے۔

اگر اُمت مسلمہ یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ اپنی پس ماندگی' انتشار و اضطراب' باہمی عداوت اور دشمنی' بے بسی و کسل مندی اور بے پروائی و بربادی کی جس صورت حال سے دوچار ہے' اس کے ہوتے ہوئے بھی یہود پر غالب آ جائے گی تو اُس کی یہ توقع سراسر باطل ہے۔

یہ امر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ سرگرم عمل لوگوں کے مقابلے میں کاہلوں کی اور متحد و منظم لوگوں کے مقابلے میں ان لوگوں کی مدد فرمائے جو انتشار کا شکار ہوں۔ یہ سنتِ الٰہی کے خلاف ہے کہ وہ منظم گروہ کے مقابلے میں پراگندہ حال لوگوں کی اور منصوبہ بند لوگوں کے مقابلے میں الل ٹپ کام کرنے والوں کی مدد کرے' یا نظم وضبط کے پابند لوگوں کے مقابلے میں بے پروا لوگوں کا مددگار ہو' یا اپنی ملت کے غم میں فکرمند رہنے والوں کو چھوڑ کر وہ ان لوگوں کی مدد کو پہنچے جنھیں اپنے ذاتی مفاد کے سوا کسی چیز کی فکر دامن گیر نہیں ہوتی۔

اب یہ داعیانِ حق اور مصلحین کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہمی تعاون کے جذبے سے سرشار ہو کر اُمت مسلمہ کو اندر سے بدلنے کی حتی المقدور کوشش کریں اور اس کی پوشیدہ و پنہاں ذاتی قوتوں کو پھر سے بروے کار لائیں تاکہ تلافی مافات ہو سکے اور اُمت مسلمہ ترقی یافتہ دنیا کی بہترین چیزیں جذب کرے اور اپنی بہترین چیزوں سے اُنھیں روشناس کرائے۔

ہمیں اللہ کی نصرت پر یقین رکھتے ہوئے پورے اخلاص' عزم مصمم اور ثابت قدمی کے ساتھ اس میدان میں کام کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہے اور اس کام کو ایسے عزم کے ساتھ انجام دینا ہے کہ کسی طرح کی اُکتاہٹ و گھبراہٹ آڑے نہ آئے۔ اور اس کام کی کامیابی پر ہمیں اتنا یقین ہو کہ کوئی شک و تردد اُسے متزلزل نہ کر سکے۔ یاس و قنوط کی زنجیروں سے آزاد ہو کر اور اپنے ہاتھوں میں اُمید کی شمع لے کر اگر ہم نے جہدِ مسلسل کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا تو کامیابی لازماً ہمارے قدم چومے گی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ o (العنکبوت ۲۹:۶۹) ''جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے' اُنھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکوکاروں ہی کے ساتھ ہے''۔

o علامہ یوسف قرضاوی کی کتاب: غلبۂ اسلام کی بشارتیں سے ایک باب کا انتخاب۔ ترجمہ: عبدالحلیم فلاحی